JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 40, Issue No.01

TITLE OF THE PAPER

طاہرہ اقبال کا ناول "گراں": پوٹھواری تہذیب کا تانیثی زاویہ اظہار

AUTHOR(S)

* **Dr. Syed Muhammad Mubashar Raza Naqvi**
Associate Professor, Department of Urdu
Govt. Alamdar Hussain Graduate College, Multan

CONTACT

* naqvimubasher@gmail.com

HISTORY OF THE PAPER

Received on: May 28, 2024
Accepted on: June 25, 2024
Published on: June 30, 2024

DETAIL(S)

Volume No. 40, Issue No. 01, Page No: 145-153
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT

©The author(s) 2024. ©Journal of Research (Urdu) 2024.
This publication is an open access article.

JOURNAL'S PROFILE

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Khawar Nawazish
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 300 9561745

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
khawarnawazish@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 1, June 2024

* ڈاکٹر سید محمد مبشر رضا نقوی

طاہرہ اقبال کا ناول "گراں": پوٹھواری تہذیب کا تانیثی زاویہ اظہار

Tahira Iqbal's novel "Giraan": The Feminine aspect of Pothowari Civilization

ABSTRACT

Tahira Iqbal is one of the prominent novelists of contemporary Urdu literature. She has made the cultural life of Punjab and especially the social status of women the subject in his stories. Her novel "Graan" is created in the locale of Pothowar that is a culturally unique and important region of Punjab. He has tried to reflect the psychological conditions of the women of this region. This is the region where a large number of men either live abroad for employment or join the army. In both the cases, the fate of the woman of this region becomes waiting for her man, alienation , anguishes and sorrow. In this article, an attempt has been made to present an analytical study of the manner in which Tahira Iqbal has dealt with this subject in her novel "Giran".

KEYWORDS

Urdu Novel, Fiction, Civilization, Gandhara, Pothowar, Culture, Feminism

طاہرہ اقبال عہدِ حاضر کی ایسی تخلیق کار ہیں جن کی کئی تخلیقی جہتیں ہیں۔انہوں نے بطور افسانہ نگار، ناول نگار اور نقاد اپنی شناخت منوالی ہے۔ان کا تخلیقی سفر افسانے سے شروع ہوا جبکہ ناول کی دنیا میں ''نیلی بار'' سے شروع ہونے والا سفر تاحال جاری ہے۔ فی الوقت ہمارا موضوع ان کا دوسرا ناول ''گراں'' ہے کہ جو پہلی بار 2019ء میں شائع ہوا۔اس ناول کی اشاعت سے قبل ہی وہ ''نیلی بار'' کے ذریعے ادبی دنیا میں اپنی ناول نگاری کی پہچان بنوا چکی تھیں۔ ''نیلی بار'' اِک وسیع کینوس کا حامل ناول تھا جبکہ اس کے مقابلے میں ''گراں'' کا کینوس نسبتاً مختصر ہے۔

طاہرہ اقبال نے پنجاب کے مختلف خطوں کو اپنے افسانوی ادب میں پیش کیا ہے بالخصوص وسطی پنجاب کے مختلف علاقے ان کے افسانوں اور ناولوں میں کہانی کے ساتھ ساتھ منسلک رہتے ہیں مگر ''گراں'' اِک نئے تجربے کے طور پر سامنے آیا ہے۔ یہ ناول پوٹھوار کے خطے کے حوالے سے لکھا گیا ہے اور یہاں بھی طاہرہ اقبال اِک تاریخ دان

اور ایک کیمرہ مین کی طرح یہاں کے مختلف زاویے دکھاتی ہیں۔ اگرچہ ہمارے بہت سے ناول نگار پنجاب کے مختلف علاقوں کی تہذیب وثقافت کی جھلکیاں پیش کرتے نظر آتے ہیں تاہم خطہ پوٹھوار کے جو زاویے طاہرہ اقبال نے دکھائے ہیں وہ شاید اس سے پہلے اُردو ناول میں خال خال ہی ملتے ہیں۔

یہ طاہرہ اقبال کی خوبی ہے کہ وہ قاری کو اپنے ساتھ ساتھ لیے مختلف علاقوں کی رہتل دکھاتی ہیں اور پھر اُس پر اپنی ناقدانہ نظر بھی ڈالتی ہیں۔ ''گراں'' میں انہوں نے پوٹھواری علاقے کی گذشتہ کئی دہائیوں کی معاشرتی، معاشی اور ثقافتی زندگی کی کہانی بیان کی ہے۔ یہاں کے مختلف تغیرات کو روشناس کروایا ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ جو سب سے اہم چیز ہے وہ اس علاقے کی عورت کی قسمت، اس کی نفسیات اور اس کے جذبات کا اظہار ہے۔ یہ نسوانی جذبات شاید اک مرد ناول نگار اتنا بہتر نہ لکھ سکتا جیسا کہ طاہرہ اقبال نے بیان کیے ہیں۔ اس ناول کے دیباچے میں اقبال نذر لکھتے ہیں:

> ''طاہرہ اقبال کا ناول 'گراں' دراصل پانی کا وہ دھارا ہے جس سے پوٹھواری ثقافت اور معاشرت کے سُوتے پھوٹتے ہیں۔''(1)

یہاں تک تو ہم اقبال نظر کی رائے سے متفق ہو سکتے ہیں مگر اس ناول میں جس پوٹھواری ثقافت اور معاشرت کی بات کی جا رہی ہے اس کا ایک اہم اور ناقابلِ فراموش کردار یہاں کی عورت بھی ہے۔ وہ عورت جو اس کائنات میں خدا کی تخلیق کا اہم مظہر ہے۔ شاید اس مختصر مقالے میں اتنی وسعت نہ ہو کہ ہم یہاں کی عورت کے کئی روپ دیکھ سکیں تاہم کچھ جھلکیوں سے ہم اِک مکمل تصویر ضرور بنا سکتے ہیں۔

طاہرہ اقبال نے ''گراں'' میں جو اک سلگتا ہوا نکتہ اُٹھایا ہے وہ یہاں کے مرد حضرات کا دیارِ غیر میں منتقل ہونا اور یہاں کے مرد حضرات کا فوج میں چلے جانا ہے۔ ہر دو صورت میں یہاں کی عورت کے لیے بس انتظار، جدائی، کرب، دکھ اور ناآسودہ جذبات ہی رہ جاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ جو فوج میں جاتے ہیں ان میں سے کئی جامِ شہادت بھی نوش کرتے ہیں۔ تو ایسی خواتین تاحیات کسی بھی اَن دیکھے راستے سے ان کی آمد کی منتظر رہتی ہیں۔ یہاں طاہرہ اقبال نے نا صرف فوج سے وابستہ بلکہ دیارِ غیر جانے والوں کی خواتین کا بھی احوال بیان کیا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے ٹرین (ریل گاڑی) کو بطور استعارہ استعمال کیا ہے کہ برس ہا برس سے نہ ملنے والے اچانک کسی ٹرین سے اتریں گے اور

ان کا انتظار ختم ہو گا اور وہ خوش کن لمحات میسر آئیں گے کہ جوان مردوں کی جانب سے ''واجب الادا'' تھے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''ہر روز جب سورج پہاڑوں کی اوٹ پرے اتر جاتا تو میرن جنگلی پھولوں کا گلدستہ بنا کر میلی چیکٹ چادر کا گھونگھٹ کاڑھ ادھر کلعام ریلوے اسٹیشن پر اپنے فوجی کا استقبال کرنے جاتی ہے۔ اسٹیشن ماسٹر مذاق میں پڑ جاتا ہے، میرن! تیرا فوجی تو آج بھی نہیں اُترا۔''(2)

اسی طرح کا یہ اقتباس بھی دیکھیے:

''تبھی تیز رو پوری رفتار سے گزر گئی۔ شکیلہ جان کی جان بھی اسی رفتار سے لائین کی پٹڑیوں پر پٹختی رہ گئی۔ ایسی ہی کوئی گاڑی اِک روز اکبر خان کو لا کر پنڈی اسٹیشن پر اتارے گی۔''(3)

جبکہ درج ذیل اقتباس نسوانی جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے:

''وہ اب بھی ہر گاڑی کی آواز کے ساتھ ناہموار زینے بے اختیار چڑھ جاتی اور لبالب بھری لیکن خالی خولی گاڑیاں دیکھتی، جو قصباتی اسٹیشن پر کبھی نہ رکتی تھیں۔ سوائے اس کے کہ کراس پڑ جائے یا انجن فیل ہو جائے۔ لیکن انتظار والی گاڑی کا انجن کبھی فیل نہ ہوا۔ وہ دھویں چھوڑتی سیٹیاں بجاتی چھک چھک گزرتی رہی۔ عمریں اور صدیاں لد گئیں نہ گاڑیوں نے گزرنا چھوڑا نہ انتظار نے سانس توڑا۔''(4)

ان تمام اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاہرہ اقبال نے ریل گاڑی کو انتظار اور امید کے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ ان خواتین کے جذبات واحساسات کو بھی بیان کیا ہے کہ جو اس جدائی اور انتظار کی اذیت سے گزر تو رہی ہیں مگر اَن دیکھی خوشی، کسی کے آنے کی امید لیے اسٹیشن پر آتی ہیں اور گاڑی کے ساتھ بھاگ بھاگ کر کسی اپنے کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب ہیں۔

پھوٹھوار سے متعلق یہ عام بات ہے کہ وہاں کے لوگ زیادہ تر فوج میں شامل ہوتے ہیں اور پھر کئی کئی ماہ وہ گھر سے دُور رہتے ہیں، ایسے میں پیچھے رہنے والی خواتین ان کی یاد میں کھوئی ہوئی، ان کی منتظر رہتی ہیں۔ تاہم کبھی کبھی جب وہ

ارضِ وطن پر جان قربان کر دیتے ہیں تو ہمیشہ کی جدائی ان خواتین کا مقدر بن جاتی ہے۔اس کے ساتھ اِک دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ ستر کی دہائی کے بعد یہاں سے مشرقِ وسطیٰ اور یورپ جانے والوں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔اس رجحان سے اگرچہ یہاں کی طرزِ بود و باش میں تبدیلی تو آئی ہے مگر یہاں کی عورت اسی طرح بڑے بڑے گھروں میں تنہائی کا دکھ جھیل رہی ہے۔بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جنھوں نے دیارِ غیر جا کر وہاں کی عورتوں سے شادیاں رچا لیں مگر یہاں کی خواتین ان کے انتظار میں بیٹھی بیٹھی اندر ہی اندر گھٹ رہی ہیں۔روپیہ پیسہ، محلات کوٹھیاں، چمچماتی گاڑیاں بلاشبہ اک رعب تو رکھتی ہیں مگر جذباتی تسکین کے لیے اُن مردوں کے محض تصورات ہی ان کا اثاثہ ہیں۔کچھ ایسی خواتین بھی ہیں جو بچپن یا کم عمری میں کسی جانے والے کے ساتھ منسوب کر دی گئی تھیں مگر بالوں میں چاندی کے تار آنے کے بعد بھی وہ ان کی منتظر ہی رہیں۔طاہرہ اقبال نے یہ جذباتی اور ذہنی کیفیت کچھ یوں بیان کی ہے:

> ''یہ ستر کی دہائی تھی جب پوٹھوار میں سے ہر وہ مرد جو اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکتا تھا ہر وہ بچہ جس کی مسیں بھیگ رہی تھیں۔وہ پاسپورٹ بنوا کر بیرونِ ملک کمائی کرنے چلا گیا تھا۔۔۔عورتوں اور قریب المرگ بوڑھوں کے سوا چلتا پھرتا کوئی مرد نظر نہ آتا تھا۔جو کنواری تھیں ان کے بیاہنے کو بر نہ رہا جو منگی تھیں وہ سروں پر جمی سیاہ چادروں میں چاندی کے تار چھپائے انتظار کے بوجھ تلے کمر خمیدہ ہونے لگیں۔جو بیاہی گئی تھیں وہ کوکھ میں نئی دھڑکنیں شمار کرتی فضاؤں میں اڑتے جہازوں کو گنتیں کہ شاید کوئی جہاز اُسے لے کر لوٹ رہا ہو جو اس نام کو شکل دے جائے، جسے بچوں نے بس سنا تھا دیکھا کبھی نہ تھا۔''(5)

یہ وہ نسوانی جذبات واحساسات ہیں کہ جو طاہرہ اقبال کا خاصا ہے انہوں نے اک مکمل تصویر کھینچ کر ہمارے سامنے رکھ دی ہے اور قاری اس حقیقت سے متفق ہو جاتا ہے کہ جو طاہرہ اقبال نے اس ناول میں دکھانا چاہی ہے۔ یہاں طاہرہ اقبال نے پوٹھواری لب ولہجہ کو بھی اپنے اسلوب میں شامل کیا ہے کہ اس علاقے کی مکمل عکاسی ہو سکے۔ انہی کیفیت کا اظہار انہوں نے جابجا کیا ہے۔ان میں سے یہ دو مثالیں دیکھیے:

> ''کہ مڑ سو کیڑی گڈی توں لہسو اُڈیک اُڈیک اکھیاں وی تھک ہاریاں''۔(6)

اور

''ہائے کڈن مڑ سن کدوں وچھورے مُک سن''۔(7)

غرض یہ کہ طاہرہ اقبال نے اس ناول میں لسانی حوالے سے بھی جذبات واحساسات کی عکاسی بھرپور انداز سے کی ہے۔اس ناول کا اک دوسرا پہلو جو اسی سے جڑا ہوا ہے وہ یہاں کے لب ولہجہ کی اسلوب میں جھلک ہے۔طاہرہ اقبال کے اسلوب کا وصف یہ ہے کہ جس علاقے یا خطے کی کہانیاں بیان کرتی ہیں اُسی علاقے کے لب ولہجہ کو اپنے اسلوب میں اس طرح استعمال کرتی ہیں کہ وہ لب ولہجہ ہمیں کہانی میں بہاؤ کی کیفیت سے دور نہیں کرتا بلکہ قاری اس بہاؤ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے۔ ہمیں طاہرہ اقبال کے ناول ''نیلی بار'' میں بھی ایسی ہی مثالیں ملتی ہیں، بالخصوص اس ناول کے ابتدائی صفحات ہمیں اس علاقے کے لب ولہجے اور بول چال سے نہ صرف آشنا کرتے ہیں بلکہ وہاں کی تہذیب وثقافت کو بھی کھل کر ہمارے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ''گراں'' کے مطالعے کے دوران بھی ہمیں پوٹھواری رہتل کی کئی جھلکیاں ملتی ہیں۔

طاہرہ اقبال نے اس ناول میں خواتین کی زبان سے ایسے جملے کہلوائے ہیں جو اسلوب میں رچ بس کر کہانی کے حقیقی یا مقامی ہونے کی دلیل ہیں۔اسی نوعیت کے چند جملے بطور مثال دیکھیے۔ان جملوں میں ہمیں مقامیت کے ساتھ ساتھ، یہاں کے لوگوں کی معصومیت بھی ملے گی، بعض لوگ ان کے جملوں پر کچھ اعتراضات بھی کرتے ہیں کہ اُن کے اسلوب میں کچھ فحش جملے بھی ہوتے ہیں۔تاہم جب ہم ان علاقوں کے لوگوں سے ملتے ہیں تو اس طرح کے جملے اکثر سننے کو ملتے ہیں۔یہ فحش گوئی نہیں بلکہ وہ عوامی رنگ ہے جو لوگوں سے مل کر ہی سامنے آتا ہے۔یہ دیکھیے:

''حرام دیو! اے سور دی چربی اے اپنا سوہنا دیسی تے اسلامی کھاجا کھاؤ''۔(8)

''ہائے کنجری جا تکے آن ماندا کر چھوڑ سی سارا روبک کڈ چھوڑ سی''۔(9)

یہ بوڑھی عورتوں کے کوسنے ہیں جو قریباً ہر زبان میں ایک ہی مفہوم لیے ہوتے ہیں۔ان کو فحش نگاری میں شمار کرنا میرے نزدیک درست نہیں۔ ہم اگر کسی دیہاتی یا کم پڑھی لکھی یا بالکل ان پڑھ کی زبان سے ایسے جملے کہلوائیں کہ جو ٹھیٹھ اردو میں ہوں تو وہ ویسا تاثر نہیں چھوڑیں گے جیسا تاثر مقامی زبان اور لب ولہجہ قائم کرتا ہے۔اب ہم کچھ ایسی مثالیں دیکھتے ہیں کہ جو وہاں کے مقامی لب ولہجے کو اجاگر کرتی ہیں:

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 1, June 2024

''بنڑے کی بند کری چھوڑ۔''(10)

''آلوآلا پر اٹھا کھاسو۔''(11)

''پیوں کدوں مڑ سی آ''۔(12)

جبکہ یہ بول بھی دیکھیے:

''سر گی نیا تاریا لو چاہ لا
روٹھڑا ڈھولا لواں منا
سر گی نیا تاریا۔۔۔۔ہوشے
سر گی نیا تاریا لو چالا''(13)

(سپیدۂ سحر جلد روشنی بکھیر دے کہ میں روٹھا ہوا محبوب منالوں)

غرض ہمیں ایسی کئی مثالیں ''گراں'' سے مل جائیں گی کہ جو پوٹھواری لب ولہجہ کی حامل ہیں اور کہانی کو آگے بڑھانے میں معاون بھی ہیں۔اس حوالے سے الطاف فاطمہ کا کہنا ہے:

''اس تمام رنگا رنگ بنت کے تارو پود سے بنتی اور ابھرتی ہوئی 'گراں' کی ہمہ رنگی کہانی ۔۔۔۔طاہرہ کا جو ذخیرۂ الفاظ ہے مجھے انشا کی رانی کیتکی کے بعد اسی ڈکشن نے متاثر کیا ہے۔''(14)

یہی طاہرہ اقبال کا وہ اسلوب ہے جو مقامیت کے عنصر کو لیے ہوئے قاری کو اپنی مکمل گرفت میں لے لیتا ہے۔وہ لوک گیتوں کا تڑکا بھی لگاتی ہیں جو کہانی میں اک دلچسپی پیدا کرتے ہیں، ساتھ ساتھ وہ اس خطے کی تہذیب وثقافت کو بھی کھول کر رکھ دیتے ہیں:

''صبح ناں ویلا قیدی کھڑے تحصیلاں نال
بن کے حاکم جھگڑا کرو وکیلاں نال''(15)

''آبھو طوطا ماڑی تے ماڑی نہیں پساری تے
ماہی مہندا منہ چھکیندا مہندا دل نسواری تے''(16)

(میرا محبوب حقے کا عادی ہے جب کہ میرا دِل نسوار چھینکنے کو چاہ رہا ہے)

''گراں''کا ایک اور پہلو پوٹھوار کے لوگوں کے باہر جانا اور اس علاقے کی طرزِ بود و باش کا یکسر تبدیل ہونا بھی ہے۔ ناول کے مکمل مطالعے کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ طاہرہ اقبال دراصل دھرتی سے پیار کرنے اور اس کے لوگوں کے معصوم انداز کو تبدیل ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کا ماضی سے موازنہ کر کے عہدِ حاضر کے مشینی اور مصنوعی دور کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے لوگوں کے چہروں پر پرانی معصومیت اور ان کے درمیان اپنائیت کو تلاش کرنا چاہتی ہیں۔ جدید دور میں روپے پیسے کی دوڑ، مذہبی جنونیت نے لوگوں کے چہروں سے پیار، محبت اور خلوص کے جذبات چھین لیے ہیں جبکہ نادیدہ طاقتیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے ان لوگوں کے جذبات سے کھیل رہی ہیں۔ ''گراں''اس مقبولیت کی بازیافت کا بھی نام ہے۔ ''گراں''دولت، محلات پر تعیش گاڑیوں کی چکاچوند کے پیچھے چھپی دم گھٹتی خواہشات کا اظہار بھی ہے۔

طاہرہ اقبال نے ماضی اور حال کے دنوں کا تقابل کرتے ہوئے ایسی کئی مثالیں پیش کی ہیں جو پوٹھواری تہذیب و ثقافت کے بدلاؤ کو ثابت کرتی ہیں:

> ''ان پڑھ ماؤں کے بچے ادھر روات، سہالے، گوجر خان اور پنڈی کے انگریزی سکولوں میں پڑھتے تھے اور ولائیتوں کے بچے کہلاتے تھے۔ ان دنوں گراں کے گھروں میں نل لگ گئے تھے۔ نئی طرز کے باتھ روم بن گئے تھے۔ لڑی ویران ہو گئی تھی جہاں پر جھاڑی کے پیچھے پیچھے بچے مونگ پھلی چباتے اور ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ قدرتی لیٹرینیں عورتوں اور مردوں کے لیے الگ الگ مخصوص تھیں لڑکی کی سمت کبھی کوئی مرد نہ پھٹکا تھا۔''(17)

اسی حوالے سے مزید امثال ملاحظہ کیجئے:

> ''کاشتکاری کے طریقے فراموش ہو گئے۔ مونگ پھلی، مکئی، باجرہ، جوار اگانے والے کھیت سوکھنے لگے۔۔۔ گندم کی گہائی اور مونگ پھلیوں کی کھدائی کے موسم میں سجنے والے میلے خواب و خیال ہو گئے تھے۔ رہٹ کے کنویں سوکھ گئے تھے۔''(18)

"جھلی میرن کے چلانے کو کوئی گائے بھینس نہ رہی کہ گھروں میں اب ڈبے کا دودھ استعمال ہوتا تھا۔"(19)

دھواں اُگلتی فیکٹریوں اور ملوں نے ندی نالوں کو ختم کر دیا۔ چشمے سوکھتے جا رہے تھے:

"گزرے موسموں میں دس دس کوس کی چڑھائی چڑھ کر عورتیں تین تین گھڑے اُٹھائے یہاں بھرنے کو آتیں اور فجر سے عصر تک واپس چڑھائیاں اترائیاں عبور کرتی گھر پہنچ جاتیں۔ لیکن یہ اس پانی کی تاثیر تھی شاید کہ پھر بھی نہ تھکتیں۔۔۔۔ لیکن اب صدیوں پرانے اس چشمے کے پانی پر کائی کی تہیں چڑھ آئی تھیں۔ جس میں مینڈک ڈبکیاں لگاتے تھے، جن کی لمبی جاہنگوں سے لپٹے سیاہ جالے پانی میں گھلتے جاتے۔ چاروں کناروں پر کائی اور سیاہی کا ملائم پھسلتا استر چڑھ آیا تھا اور پیندے پر سبز مخمل سی کائی کا فرش بچھ گیا تھا۔"(20)

یہ "گراں" سے وہ چند مثالیں سامنے رکھی گئی ہیں تاکہ ہمیں یہ سمجھنے میں دقت نہ ہو کہ طاہرہ اقبال نے "گراں" میں پوٹھواری تہذیب وثقافت کے گمشدہ اوراق کو تلاش کرنے کی سعی کی ہے اور ہم اس سعی کو لاحاصل بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس ناول میں طاہرہ اقبال پوٹھوار کے لوگوں کے مزاج کی تبدیلی، قدیم وجدید کا تقابل، رسوم ورواج میں جدت، طرزِ بود و باش میں یکسر تبدیلی اور سب سے اہم یہ کہ یورپ سے واپس آنے والوں کی اپنی ثقافت کی طرف مراجعت ملتی ہے۔ یعنی کہانی میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ یہاں سے جانے والے واپس اپنی مٹی میں سمانے کے خواہش مند ہیں مگر وہ نسل جو یورپ میں پروان چڑھی اس کے نزدیک یہ سب لوگ گراں کے باسی ہیں وہ قدامت پسند ہیں جو اپنی جڑوں سے منسلک رہنا چاہتے ہیں اور اجتماعیت اور یکجہتی کے خواہاں ہیں۔ جو اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیاں یاد کر کے دوبارہ اُسی دور میں جانے کے خواہاں ہیں۔ جبکہ پوٹھوار کی عورت ابھی بھی کسی نہ کسی اپنے کی منتظر ہے۔ جو دولت باہر سے آئی، اُس سے شہروں میں کوٹھیاں، بنگلے بنانے والے بچے اپنی ذات اور اپنی دنیا میں مست ہیں جن کے نزدیک روپے پیسے سے زندگی آرام دہ بنائی جا سکتی ہے مگر طاہرہ اقبال بین السطور یہ کہتی ہیں کہ ذہنی اور جذباتی آسودگی کے لیے یہ مادیت بھرا ماحول زہرِ قاتل ہے اور یہی "گراں" کا تہذیبی وثقافتی نوحہ بھی ہے۔

حوالہ جات

1۔ اقبال نذر، دیباچہ: گراں، از: طاہرہ اقبال، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2019ء)، ص9
2۔ طاہرہ اقبال، گراں، ص18۔19
3۔ ایضاً، ص29
4۔ ایضاً، ص52۔53
5۔ ایضاً، ص79
6۔ ایضاً، ص29
7۔ ایضاً، ص63
8۔ ایضاً، ص105
9۔ ایضاً، ص62
10۔ ایضاً، ص107
11۔ ایضاً، ص105
12۔ ایضاً، ص79
13۔ ایضاً، ص13
14۔ الطاف فاطمہ، انشاء کی کہانی، مشمولہ: گراں، ص8
15۔ طاہرہ اقبال، گراں، ص232
16،17۔ ایضاً، ص80
18۔ ایضاً، ص80
19۔ ایضاً، ص81
20۔ ایضاً، ص88